

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

اشارات

دنیا کا ہر نظام خپدا ساسی تصورات اور بنیادی اصولوں پر قائم ہوتا ہے جنہیں اس نظام سے کسی صورت بھی الگ نہیں کیا جاسکتا۔ مثلاً آج اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں یوں تو اسلام کے پورے نظام کو تسلیم کرتا ہوں مگر توحید، رسالت اور آخرت کی جو ابدی کو ماننے کے لیے تیار نہیں تو اس شخص کے فائر عقل ہونے میں کیا شک کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ میں یوں تو اشتراکی نظام کو صحیح سمجھتا ہوں، اور اس بات کا پختہ یقین رکھتا ہوں کہ یہی انسانی دکھوں کا واحد حل ہے، مگر اس کے ساتھ میں اللہ اور اس کے رسول پر بھی ایمان لاتا ہوں اور اسلام کے نظام اخلاق کو بھی درست سمجھتا ہوں تو اس کے اس دعویٰ کو کسی صحیح الذہن شخص کا دعویٰ نہیں کہا جاسکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا کا ہر نظام اپنے ساسی تصورات کا منظر ہوتا ہے۔ اس کے اصول اور ضابطے، اس کے اخلاقی معیارات، اس کے خوب و ناخوب کے پیمانے، اس کے سیاسی، معاشرتی اور معاشی ڈھانچے سب ان ساسی تصورات کے مختلف عکس ہوتے ہیں اور ان سب میں ایک مقصدی ربط اور معنوی ترتیب پائی جاتی ہے۔ ان میں سے کسی ایک کو بھی دوسرے سے جدا کر کے اپنایا نہیں جاسکتا۔

جو لوگ اشتراکیت کے بنیادی افکار اور اس کے مزاج امد اس کے انسان مطلوب سے کچھ بھی واقفیت رکھتے ہیں وہ اس حقیقت سے اچھی طرح آگاہ ہیں کہ اشتراکیت کی پوری عمارت خدا کے انکار، وحی و الہام کے انکار، آخرت کی باز پرس کے انکار، یا دوسرے لفظوں میں کفر و الحاد پر قائم کی گئی ہے اور اسے دنیا میں مسلط کرنے کے لیے ایک ہی راستہ تجویز کیا گیا ہے اور وہ ہے ظلم و تشدد اور جبر و استبداد

کا راستہ۔ چنانچہ آپ دیکھیے کہ جب کسی ملک میں اشتراک کی تحریک سر اٹھاتی ہے تو خواہ اشتراکیت کے علمبردار زبان سے خدا کا انکار نہ کریں مگر اس کے جنم لینے کے ساتھ ہی خدا سے بغاوت، مذہبی تعلیمات کا استخفاف اور اخلاقی اقدار سے انحراف کا ایک عام رجحان بڑی سرعت کے ساتھ بڑھنے لگتا ہے۔ آپ کسی ایسے ملک یا خطہ ارضی کی نشاندہی نہیں کر سکتے جہاں اشتراکیت کے زور پکڑنے کے ساتھ لوگوں نے اللہ کی طرف رجوع کرنا شروع کیا ہو، یا ان کے دل میں مذہبی تعلیمات کا احترام پیدا ہوا ہو، یا انہوں نے اخلاقی ضابطوں کی پابندی کی کوشش کی ہو، یا انہوں نے زور زبردستی کے بجائے رائے عام کی تائید سے اپنے تجویز کردہ نظام کو قائم کرنے کا راستہ اختیار کیا ہو۔

ایک سوال بار بار ذہن میں پیدا ہوتا ہے کہ آخر کفر و الحاد اشتراکیت کا جزو لاینفک کیوں بن گیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دنیا کا ہر وہ نظام جس میں خوب و ناخوب کا معیار مادی فلاح و بہبود ہو گا وہ لازمی طور پر معدائے نظام ہو گا۔ یہ کفر و الحاد اشتراکیت کے ساتھ ہی مختص نہیں بلکہ سرمایہ داری میں بھی اس کی روح جاری و ساری ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کی اساس یہ ہے کہ پیدائش دولت اور تقسیم دولت مذہبی ضابطوں سے آزاد ہو، اور ہر اُس کام کو جائز اور برحق سمجھا جائے جس سے کسی معاشرے کی دولت میں اضافہ کیا جاسکے اور ہر اُس کام کو ناجائز قرار دیا جائے جو دولت کے اضافے میں حارج ہو۔ مذہب کے خلاف بغاوت اور انحراف کا یہ پہلا قدم تھا جس سے سرمایہ داری کی ابتدا ہوئی۔ پھر جوں جوں سرمایہ داری کو فروغ حاصل ہوا اسی نسبت سے عوام پر سے مذہب کی گرفت کمزور ہوتی گئی۔ پہلے تو لوگوں نے مذہب کو معیشت کے دائرے سے خارج کیا، معاشریات اور سیاست میں چونکہ گہرا تعلق ہے اس لیے بعد میں سیاست بھی اس کے اثرات سے آزاد ہو گئی اور یورپ میں لادینی ریاستیں قائم ہونے لگیں۔ آگے چل کر معاشرت کے دائرے سے مذہب کو نکالا گیا۔ اجتماعی زندگی کے سارے دائروں سے نکلنے کے بعد مذہب کے لیے ایک ہی جائے پناہ بچی تھی کہ وہ خدا اور بندے کے درمیان ایک ذاتی تعلق کی حیثیت سے زندہ رہے۔ مگر وہ انسان جو دولت پرستی اور فرم پرستی کے جنون میں گرفتار تھا وہ آخر سے اپنی ذاتی زندگی میں کس طرح کیسوتی اور اخلاص کے

ساتھ اپنا سکتا تھا، اور جس مذہب کو وہ اپنی اجتماعی زندگی کے لیے بالکل بیکار سمجھتا تھا اس سے اپنی انفرادی زندگی میں کس طرح رہنمائی حاصل کرنے کے لیے تیار ہو سکتا تھا۔ اس لیے اس نے اپنی انفرادی زندگی میں بھی اس بوجھ کو برداشت کرنا پسند نہ کیا۔

اشتراکی نظام دراصل سرمایہ داری ہی کی ایک زیادہ ترقی یافتہ اور منظم اور ہمہ گیر صورت ہے۔ اس وجہ سے اس میں کفر و الحاد بھی زیادہ قوت کے ساتھ کارفرما ہے۔ اس نے مذہب کو مختلف دائروں سے رفتہ رفتہ خارج کرنے کے بجائے یک نخت خارج کر دیا ہے اور نہایت واضح الفاظ میں اس امر کا اظہار و اعلان کیا ہے کہ اس کے نظام میں خدا اور مذہب کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔ جو لوگ اس نظام میں خدا کے تصور اور مذہبی اخلاق کی باتیں کرتے ہیں وہ یا تو انتہائی سادہ ہیں یا پرلے درجے کے عیار میں اور محض سادہ لوح عوام کو دھوکہ دینے کے لیے ایسی باتیں کرتے ہیں۔

آپ پاکستان کے حالات پر نگاہ ڈالیں تو آپ کو سرمایہ داری اور اشتراکیت کے محلہ اندازہ مزاج کا بخوبی اندازہ ہو سکے گا۔

اس ملک میں جس رفتار سے سرمایہ داری کو فروغ ہوا اسی رفتار سے مذہب کے خلاف تحریک نے زور پکڑا اور یہاں کے بڑے بڑے سرمایہ داروں نے اس تحریک کی سرپرستی کی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کے اصول اور ضابطوں سے آزاد ہو کر یہی وہ اپنی مرضی کے مطابق لوٹ کھسوٹ کر سکتے ہیں اسلام نے پیدائش دولت، تقسیم دولت اور صرف دولت کے جو اصول دیئے ہیں، فرد کے جو حقوق متعین کیے ہیں اور زر داروں پر جو معاشرتی ذمہ داریاں عائد کی ہیں ان کی پابندی کرنے سے نہ تو ان کے پاس دولت کے انبار جمع ہو سکتے ہیں نہ غریبوں کو ظلم و استبداد کا تختہ مشق بنایا جاسکتا ہے اور نہ عیاشیاں کی جاسکتی ہیں۔ آخر کار پاکستان کے عوام کے سامنے جب سرمایہ داری کی تباہ کاریاں عیاں ہونے لگیں اور ان سے بچنے کے لیے لوگوں میں یہ احساس ابھرنے لگا کہ یہاں جلد از جلد اسلامی نظام قائم ہونا چاہیے کیونکہ یہی نظام انہیں سرمایہ داروں کی چیرہ دستیوں سے بچا کر ان کی اجتماعی زندگی کو عدل و انصاف کی بنیاد پر

اُسنوار کر سکتا ہے، تو اس خطرے کو بھانپ کر فوراً ہی سرمایہ داروں کے اندر شدید پھل پیدا ہوئی اور انہوں نے اسلامی نظام کی ذمہ داریوں اور اخلاقی پابندیوں سے خوفزدہ ہو کر اشتراکیت کا نعرہ بلند کر دیا۔ وہ اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ اشتراکیت ان کے لیے کسی طرح بھی کھاٹے کا سودا نہیں۔ معاشی میدان میں انہیں جو وسیع تجربہ حاصل ہے اسی کی بنیاد پر وہ اشتراک کی سماج میں بھی کسی اونچے مقام پر فائز ہوں گے اور کارخانوں اور منڈیوں میں وسیع اختیارات کے مالک ہونے کے ساتھ ساتھ فوج، پولیس اور ملک کی انتظامیہ بھی ان کے ہاتھ میں ہوگی۔ پھر کسی مزدور کسان یا ملازم میں یہ جرأت نہ ہوگی کہ ان کے کسی اقدام پر چٹ گیری کر سکے، کیونکہ اشتراک کی نظام میں اس قسم کی حرکت گہری ”عوام دشمنی“ تصور کی جاتی ہے اور جو لوگ اس قسم کی مجبوزانہ جہارت کرتے ہیں ان کے ساتھ باغیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس طرح سرمایہ داری ترقی کر کے جب اشتراکیت کا روپ دھارتی ہے تو اس کی ساری خامیاں اور دلہیشہ دو انیاں منظم اور مربوط صورت میں سامنے آجاتی ہیں۔ اشتراکیت کو جو ریاستی سرمایہ داری کہا جاتا ہے اُس کی وجوہی یہی ہے کہ سرمایہ داری میں جو کام افراد اور گروہ چھوٹے پیمانے پر کرتے ہیں وہی کام یہ افراد اور گروہ سخت اقتدار پر متمکن ہو کر حکومت کے پورے وسائل کی قوت سے نہایت وسیع پیمانے پر سرانجام دیتے ہیں۔

ان صفحات میں اتنی گنجائش نہیں کہ سرمایہ دارانہ نظام کی خامیاں جس انداز سے اشتراکیت کے اندر غیر معمولی وسعت اختیار کرتی ہیں اُن کی نشاندہی کی جاسکے۔ ہم یہاں مذہب کے بارے میں ان دونوں کے انداز فکر کا ذکر کرتے ہیں۔

ہم پہلے اس حقیقت کو بیان کر چکے ہیں کہ سرمایہ داری نے کس طرح مذہب کو انسان کی زندگی سے خارج کیا۔ یہ اخراج کوئی اتفاقی حادثہ نہ تھا، بلکہ زندگی کے میکانیکی تصور کا فطری نتیجہ تھا۔ دورِ جدید کی سائنسی ایجادات نے انسان کے ذہن پر مادہ کی بالادستی کا نقش ثبت کر دیا۔ جدید انسان مادی ترقی سے متاثر ہو کر یہ سمجھ بیٹھا کہ اس کائنات کی علتِ اولیٰ معاذ اللہ مادہ ہے۔ یہاں جو کچھ موجود ہے یا جو کچھ ہو رہا ہے محض مادہ کی کرشمہ سازی ہے۔ اس مادی کائنات کے ماوراء کوئی ارفع و اعلیٰ ارحمانی

نظام نہیں۔ خدا، وحی، حشر و نشر اور آخرت سب اوہام ہیں۔ انسان کے ایسے اخلاق کا کوئی ایسا لگانا خدا
ضابطہ نہیں جس کا سرچشمہ وحی اور اہام ہو۔ ہر دور کے مادی تقاضے اخلاقی اقدار متعین کرتے ہیں۔ یہ مادہ
پرستانہ نظریات یورپ میں سرمایہ داری کی ترقی کے ساتھ ساتھ پھیلتے چلے گئے۔ مگر کسی کو ان کے بالجبر
ماننے پر مجبور نہ کیا گیا۔ جن لوگوں نے مادی تصور حیات کے ساتھ ساتھ روحانیت کو بھی کسی حد تک اپنانے
کی کوشش کی، اجتماعی اداروں نے ان سے براہ راست تعرض نہ کیا۔ مگر جب سرمایہ داری اشتراکیت کی
صورت میں منظم ہو کر سامنے آئی تو پھر بڑے واضح طور پر اس حقیقت کا اظہار کیا جانے لگا کہ جو آدمی
اشتراکیت کا حامی ہے وہ خدا کا پرستار نہیں بن سکتا۔ خدا اور مذہب کے بارے میں یہ خیالات سرمایہ
داری میں بھی پھیلاتے جاتے رہے تھے، مگر انہیں معاشرے میں رہنے کے لیے اساسی تصورات کی
حیثیت سے تسلیم کرنے پر کبھی زور نہ دیا گیا تھا۔ اشتراکیت نے ان نظریات کو جبر کے ساتھ لوگوں سے
منوایا اور صاف طور پر اعلان کیا کہ جو لوگ انہیں نہیں مانتے وہ کبھی سچے اشتراکی نہیں بن سکتے۔ ہم
ان صفحات میں اس حقیقت پر چند شواہد پیش کرتے ہیں۔

انگلستان میں ایک مخصوص قسم کے نظام حیات کی حیثیت سے سوشلزم کی اصطلاح سب
سے پہلے ایک مفکر اوون (OWEN) نے استعمال کی تھی۔ اس نے ۲۱ اگست کو، یعنی روس میں
اشتراکی انقلاب سے پورے سو برس پیشتر، ایک صدارتی خطبے میں نہایت واضح الفاظ میں اور پورے
زور سے کہا:

” نہ صرف یہ کہ میں خود عیسائی نہیں ہوں بلکہ مذہب کو تمام انسانی دکھوں کا منبع
سمجھتا ہوں۔“

پھر چونکہ مذہب سے انحراف کا طبعی نتیجہ اخلاقی مدور سے بغاوت ہے، اس لیے اوون
نے ایک طرف شخصی ملکیت کی مخالفت کی تو ساتھ دوسری طرف نکاح اور خاندانی نظام پر

بھی شدید حملے کیے اور انہیں نقصان دہ معاشرتی ادارے قرار دیا۔

روس میں اشتراکی انقلاب کا سب سے بڑا علمبردار لینن اپنے خط میں میکسم گورکی کو لکھتا ہے:

”خدا کی تلاش کا مشغلہ وقتی طور پر ترک کر دینا چاہیے۔ آخر ایسی چیز کی تلاش کا کیا فائدہ جو موجود ہی نہیں۔ جب تک تم بڑے نہیں فصل کس طرح کاٹ سکتے ہو؟ تمہارا کوئی خدا نہیں، تم نے ابھی تک اُس کی تخلیق نہیں کی، خدا تلاش نہیں کیے جاتے بلکہ تخلیق کیے جاتے ہیں۔ خدا کی تلاش، تعمیر خدا، تخلیق خدا یا تدوین خدا کے عمل سے اسی طرح مختلف ہے جس طرح کہ زرد شیطان نیلے شیطان سے مختلف ہو“

ایک دوسرے مقام پر مذہب کے بارے میں اپنے طرز عمل کا ذکر کرتے ہوئے لینن لکھتا ہے:

”ہم کلیسائی نظام کا مکمل انہدام چاہتے ہیں تاکہ مذہبی تصورات کی دھند کا ہم نظریاتی بنیادوں پر مقابلہ کر سکیں۔ جدید طبقاتی شعور سے بہرہ مند کارکن، جس نے وسیع و عریض کارخانوں کی فضا میں پرورش پائی ہے، اور جو شہری زندگی کی آسائشوں سے متنعم ہو رہا ہے، وہ مذہبی تعصبات کو پاتے حقارت سے ٹھکراتا ہے۔ جنت کا کام اس نے پادریوں اور تنگ نظر سرمایہ داروں کو سونپ دیا ہے اور وہ خود اس دنیا میں بہتر اور شاندار کام زندگی کے حصول کے لیے کوشاں ہے۔ آج کا مزدور اشتراکیت کا علمبردار ہے۔ وہ اشتراکیت جو مذہب کی دھند کے ملامت سانس کی قوت کے ساتھ نبرد آزما ہے اور مزدوروں کو زندگی بعد موت کے عقیدے سے نجات دلا کر انہیں اس دنیوی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے تیار کرتی ہے“

لینن نے پھر اس امر کی بھی مراحت کی ہے کہ ایک اشتراکی مذہب کو خدا اور بندے کے مابین ذاتی رشتے کی حیثیت سے بھی اپنا نہیں سکتا۔ چنانچہ وہ اسی مضمون میں صاف طور پر کہتا ہے:

”جہاں تک اشتراکی مزدوروں کی جماعت کا تعلق ہے اس کے لیے مذہب ذاتی معاملہ

بھی نہیں ہو سکتا۔ ہماری پارٹی طبقاتی شعور رکھنے والے ترقی پسند بہادروں پر مشتمل ہے جو فردو جھٹپے کے لیے لڑ رہے ہیں۔ ایسی جماعت جو طبقاتی شعور رکھتی ہے، جہل یا مذہبی عقائد کی تنگ نظری میں آخر کس طرح گرفتار ہو سکتی ہے۔“

مذہب دشمنی اشتراکی جماعت کا امتیازی نشان ہے، اس بنا پر فردوروں کی اس سرکاری جماعت میں اشتراکی حکومت یا انتظامیہ کو مذہب کی پرچھاؤں سے دور رکھا جاتا ہے۔ اہلئے عوام کا لانعام کو، جو کمیونسٹ نہیں ہیں، اس بات کی اجازت ہے کہ وہ اپنے نجی دائرے میں اگر کسی مذہب کو اختیار کرنے پر مقرر ہوں تو کر لیں، بشرطیکہ مذہب کے ساتھ ان کا تعلق اجتماعی معاملات میں کسی طرح اثر انداز نہ ہونے پائے۔ مگر اس کے ساتھ لیمن صاحب کا یہ ارشاد بھی موجود ہے کہ ”یوں اصولی طور پر اشتراکی منکر خدا اور دوسرے ہی ہوتا ہے۔“

اشتراکی نظام میں عوام کو اگر وقتی طور پر اپنی ذاتی زندگی میں مذہب کو اپنانے کی اجازت دی جاتی ہے تو یہ مذہبی رواداری کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ اس ”فیاضانہ طرز عمل“ کی وجہ یہ ہے کہ جو تصورات ان کے ذہنوں میں صدیوں سے رچے بسے ہوئے ہیں ان پر کیمبارگی حملہ کر دینے سے کہیں وہ آمادہ بناوت نہ ہو جائیں اور عزم راسخ کے ساتھ ان تصورات کی مخالفت اور پاسبانی نہ شروع کر دیں جنہیں اشتراکیت مٹانا چاہتی ہے۔ لیمن صاحب اپنے کارندوں کو ان الفاظ میں نصیحت کرتے ہیں۔

”اشتراکی پارٹی اس بات کے لیے جدوجہد کر رہی ہے کہ فردوروں کو مذہبی تعصبات کے جنگل سے نجات دلائے، اس کام کے لیے مذہب کے خلاف ذرائع نشر و اشاعت کو پوری طرح کام میں لائے اور سائنسی علم کو پھیلاتے۔ مگر اس کام کو سرانجام دیتے وقت یہ احتیاط لازم رہے کہ مذہب کے ماننے والوں کے جذبات مجروح نہ ہونے پائیں کیونکہ اس سے مذہبی تعصب تقویت پکڑ سکتا ہے۔“

لے لیمن کے یہ اقتباسات اس کی کتاب **LENIN ON RELIGION** سے لیے گئے ہیں جو ۱۹۶۶ء میں

دوسری مرتبہ ماسکو سے شائع ہوئی ہے۔

وہ لوگ سخت غلطی پر ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ اشتراکیت پسے ہوئے مزدوروں اور ستم زدہ اور مفلوک الحال عوام کے معاشی حالات کو بہتر بنانے کے لیے معرض وجود میں آئی ہے۔ دنیا کا کوئی ملک ایسا نہیں جس میں انسانیت کے بھی خواہوں نے اس صنعتی دور میں مزدور کی زبوں حالی اور سرمایہ داروں کے جبر و استبداد پر خون کے آنسو نہ بہائے ہوں اور ان کھلے اور چھپے مظالم پر صدائے احتجاج بلند نہ کی ہو جو اس ظالمانہ نظام کے سخت بے بسوں اور کمزوروں پر ڈھائے جلتے ہیں۔ پھر ظالموں کو ان کے ظلم سے باز رکھنے اور مفلوک الحال طبقوں کے افلاس کو دور کرنے کے لیے کئی ایک جامع منصوبے بھی پیش کیے گئے۔ اشتراکیت کے علمبرداروں نے ان میں سے کسی ایک کو بھی درخور اعتناء سمجھا بلکہ انسانیت کے ان سچے خیر خواہوں کا مذاق اڑایا، ان کے افکار کی تذلیل کی اور ان کی تجاویز کو خفارت کے ساتھ ٹھکرا دیا۔

یوں تو اس سلسلے میں متعدد مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں، مگر ہم روس کے ایک اہل دل ادیب ٹاسٹائی کی مثال پیش کرتے ہیں۔ اس شخص نے جس گہرے سوز اور ادبی حسن کے ساتھ غریب اور پے ہوئے طبقوں کے مصائب کا تذکرہ کر کے انسانیت کے ضمیر کو جھنجھوڑا ہے اُس کی نظیر کسی اشتراکی کی تخلیقات میں نہیں مل سکتی۔ مگر چونکہ یہ شخص خدا کا قائل تھا اور مذہبی احساسات رکھتا تھا اس لیے اس کے تصورات کو مجذوب کی ٹبر سمجھ کر کبیر نظر انداز کیا گیا۔ روسی ٹاسٹائی کو خدا کا ایک عظیم متلاشی کے لقب سے یاد کرتے ہیں مگر لیبن اس کا استخفاف کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اس کے بارے میں اس نوعیت کے انقباب شروع سے آئرنک جھوٹ پر مبنی ہیں، کیونکہ کوئی آزاد خیال روسی ٹاسٹائی کے خدا کو ماننے کے لیے یا اس نے معاشرتی حالات پر جو تنقید کی ہے اسے قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہو سکتا۔

صحیح بات یہ ہے کہ اشتراکیت بد حال مزدوروں اور مفلوک الحال عوام کی فلاح و بہبود کی کوئی تحریک نہیں ہے بلکہ سرمایہ داری نے مادہ پرستی کے جس رجمان کو شروع کیا تھا اُسے آگے بڑھانے اور پوری زندگی پر محیط کر دینے کی ایک منظم کوشش ہے۔ خود پاکستان میں دیکھ لیجیے۔ پہلے سرمایہ داری کے فروغ کے ساتھ کفر و الحاد کو ترقی ہوئی، اور اب اشتراکیت کے پھلنے پھولنے کے ساتھ اسلام کے خلاف مختلف

قسم کی سازشیں کی جارہی ہیں کہیں مذہبی طبقے کا نام لے کر اسلامی تعلیمات کا مذاق اڑایا جاتا ہے کہیں معاشی اور معاشرتی تقاضوں کا تذکرہ کر کے اسلام کے ضابطوں کو پس پشت ڈالنے کی تلقین کی جاتی ہے کبھی عقلیت اور روشن خیالی کی آڑ میں محدثانہ خیالات کا پرچار کیا جاتا ہے۔ حال ہی میں بھاشانی اکیڈمی متان نے ”سماج کا ارتقاء“ کے نام سے ایک کتاب شائع کی ہے جس کے دیباچے میں ایک صاحب نے کہا ہے کہ ”یہ کتاب ہر سیاسی کارکن کو عموماً اور ان لوگوں کو خصوصاً پڑھنی چاہیے جو پاکستان میں سوشلسٹ معاشرہ قائم کرنے کی جدوجہد کر رہے ہیں اور جو سوشلزم کو نہ صرف پاکستان بلکہ تمام دنیا کے مسائل اور مشکلات کا واحد حل تسلیم کرتے ہیں“ اب ذرا مذہب کے بارے میں بھاشانی اکیڈمی سے شائع ہونے والی اس تصنیف کا نقطہ نظر ملاحظہ ہو۔ خدا کے متعلق مصنف کا خیال یہ ہے کہ قدرت کے مقابلے میں انسان کی بے بسی نے اسے جغم دیا، چنانچہ وہ خدا کے وجود پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”عہد بربریت میں انسان کا اختیار نیچر کی قوتوں پر کسی قدر بڑھا۔ گلہ بانی اور زراعت کو ترقی ہوتی تو اس کا اثر مذہبی تصورات پر بھی پڑا۔ اب نیچر اس کی زندگی پر صرف درختوں وغیرہ کی شکل میں اثر انداز نہیں تھی بلکہ لب وہ بائش، دھوپ دریاؤں وغیرہ کی مہربانی کا بھی محتاج تھا۔ بغیر بارش کے کاشت ناممکن تھی۔ بغیر اچھی دھوپ کے فصلیں پک نہیں سکتی تھیں اور اس لیے اب اس نے ان قوتوں سے بھی ڈرنا شروع کیا اور ان کو خوش کرنے کے لیے بھی مذہبی تقاریب ہونے لگیں۔ ان کی پوجا بھی مذہب میں داخل ہو گئی اور اس دور میں انسانی عقل و فہم نے کسی قدر ترقی کی تو اس نے نیچر کی ہر ایک نمایاں قوت کو ایک خدا یا دیوتا کا تصور دیا اور اس کی مورتیاں بنا کر اس کی پوجا کی جانے لگی۔ قدیم ہندو مذہبی فلسفہ یا یونانی اور سری اصرنام پرستی ان ہی ابتدائی مذاہب کی ترقی یافتہ شکلیں ہیں۔“

عبادت کے بارے میں ان کی رائے ملاحظہ ہو:

”انسانوں کو اصل مسائل سے ہٹانے کے لیے بے شمار اور بڑے ہی پیچیدہ طریقے نکالے

گئے تاکہ وہ اپنی مصیبتوں کے متعلق نہ سوچ سکیں اور اس کا ذمہ دار انسان کو نہ سمجھے۔ لگیں بائیں ہاتھوں اور امیروں کے لیے ہر چیز جائز تھی۔ شراب نوشی اور عیاشی پر انہیں نہیں ٹوکا جاسکتا تھا۔ اس لیے کہ انہیں تو اس کی سزا دوسری دنیا میں ملنے والی تھی۔ امیر آدمی کسی غریب کو قتل کروادیتا تو اس کی سزا دوسری دنیا کے لیے اٹھا رکھی جاتی۔ لیکن معمولی آدمی کو معمولی سی غلطی کی بھی سزا اسی دنیا میں بھگتنا ضروری تھی۔“ (صفحہ ۳۹)

آخر میں ان تصورات کا خلاصہ یوں بیان کیا گیا ہے :

”تمام مذہبی فلسفوں کا یہی نچوڑ ہے یعنی بھگوان نے نہیں امیر یا غریب پیدا کیا اور اس لیے لوٹنے والے طبقوں کو پورا حق ہے کہ لوٹے۔ غریب طبقوں کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ احتجاج کریں۔ منظم ہوا اور لوٹنے والے طبقہ کے خلاف آواز اٹھائے۔ اس کا تختہ الٹ سکے طبقہ داری سماج کا مذہب حاکم طبقہ کا سب سے بڑا پشت پناہ بنتا ہے۔“ (صفحہ ۴۰)

ان خیالات کو بار بار پڑھیے اور دیکھیے کہ خدا کے بارے میں پاکستان کے اندر غریبوں کے یہ ہمدرد اور دکھی انسانیت کے یہ بھی خواہ کس قسم کے خیالات پھیلا رہے ہیں۔ ان لوگوں کے نزدیک خدا کو ٹی قائم بالذات ہستی نہیں بلکہ انسانی جہل کا نتیجہ ہے۔ اسی طرح اللہ پر ایمان محض قدرت کی بالادستی کے سامنے انسان کی عاجزی، بے چارگی اور دراندگی کا اعتراف ہے۔ خدا محض واہمہ ہے۔ نوع انسانی جب کائنات کے اسباب و اثرات کے وسیع اور پیچیدہ طلسم کو جو غیر محدود زمان و مکان میں پھیلا ہوا ہے، سمجھنے سے عاجز آجاتی ہے تو وہ مجبوری کے عالم میں ایک بند و بالذات کو تسلیم کر لیتی ہے۔ مگر جوں جوں انسان کا علمی اتق وسیع ہوتا چلا جاتا ہے اور وہ تو انہیں طبیعی کی پیچیدگیوں کو حل کرنے کے قابل ہو جاتا ہے، اُس کے دل و دماغ سے خدا کے وجود کے بارے میں مختلف توہمات خود بخود ختم ہوتے چلے جاتے ہیں جو نظریہ حیات خدا کے اعتقاد کو جہل اور لاعلمی کا نتیجہ قرار دے اس میں آخر کسی ایسی قادر مطلق ذات پر ایمان کی کیا گنجائش ہو سکتی ہے جس سے ہم اس زندگی میں رہنمائی حاصل کریں اور اس کی

رضنا جوئی کو اپنی زندگی کا مقصد و مطلوب قرار دیں۔

خدا کے بارے میں اس باطل نظریہ کی بنیاد پر ان لوگوں نے مذہبی عقائد اور ایمانیات پر بھی بحث کی ہے۔ ان کے خیال میں توحید بھی ایقان کی آخری منزل نہیں بلکہ عارضی مقام ہے، کیونکہ جب انسان کے سامنے فطرت کے سارے اسرار و رموز کھل جاتیں گے تو اسے معلوم ہوگا کہ ایک خدا کا وجود محض ذریعہ نظر ہی تھا :

”مذہب کی ترقی کا سب سے بڑا اور آخری زینہ وحدانیت کا تصور ہے۔ اصرار ہے عقیدت بٹ جاتی ہے۔ اعتقاد کی پختگی اور اعتقاد اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے جب کہ مرکز ایک ہی ہو۔ وحدانیت کے تصور نے سماج کے ارتقاء کے ساتھ آہستہ آہستہ ترقی کی ابتداء کئی دیوتاؤں میں ایک کو سردار بنایا جانے لگا جس کی مثال قدیم لیڈان، بابل اور مصر میں ملتی ہے اور بعد میں چل کر سردار اتنی اہمیت حاصل کر لیتا ہے کہ عبادت کا مرکز ہی رہ جاتا ہے۔ وحدانیت کا ترقی یافتہ سب سے پہلا تصور زرتشت نے آٹھ سو سال قبل مسیح میں پیش کیا۔ اس کی بنیاد انہوں نے ساری کائنات کے ایک مکمل تصور پر رکھی اور اس کا مرکز ایک ایسی قوت کو بنا یا جس کے اقتدار میں ساری کائنات ہے۔ اسی طرح ہندو مذہب میں بھی یہ تصورات ترقی پاتے ہیں کہ تمام دیوتاؤں کے پیچھے ایک مشترکہ قوت ہے اور یہ تمام دیوتا حقیقتاً ایک عالمگیر قوت کے علمبردار ہیں۔ ایسے ہی تصورات چین اور ایران میں ملتے ہیں۔ بعد کے زمانے میں اس کی ترقی یافتہ شکل عیسائیت اور بعد کے مذہب میں ملتی ہے۔ بربری نظام میں ایک ملک کے باشندے قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے اور اس لیے وہاں خدا بھی کئی ہوتے تھے۔ جاگیر داری نظام میں ایک بادشاہ کے تحت مرکزیت پیدا ہوتی ہے اور اسی کے ساتھ ایک دیوتا یا خدا کا تصور بھی ترقی پاتا ہے۔“

ترقی یافتہ مذہب میں ایک خصوصیت آسٹراکیت کی پائی جاتی ہے۔ (باقی صفحہ ۶۴ پر)

(بقیہ اشارات)

جس میں تمام سوسائٹی سے تعلق منقطع کر کے گیان ودھیان کے ذریعہ سب سے اعلیٰ قوت سے اہرت
رابطہ پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

یہ میں انتراکیت کے علمبرداروں کے خدا اور مذہب کے بارے میں خیالات۔ ان کے نزدیک خدا جہل کی پیداوار
ہے اور انسان محض اپنی حماقت اور کم علمی کی بنا پر اپنے دل میں کسی جندوبالاذات کا خوف پیدا کر کے اُس کی نزدیک
کا قلابہ اپنی گردن میں ڈال لیتا ہے حالانکہ خدا کی حقیقت ”مختلفہ و ام خیال“ سے کچھ بھی زیادہ نہیں۔

بعض چالاک اور عیار اشتراکی سادہ لوح عوام کو فریب دینے کے لیے خدا، اسلام قرآن کا نام لینے ہیں اور
انہیں یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ اللہ کے دین کے دشمن نہیں بلکہ اُس کے خادم ہیں مگر یہ سب چال بازی
اور فریب کاریاں ہیں۔ انتراکیت اور مذہب دشمنی دونوں لازم ملزوم ہیں کیونکہ انتراکیت کا سارا فلسفہ اور
اس کا پورا نظام حیات الحاد کی بنیادوں پر استوار کیا گیا ہے۔ الحاد اس نظام کے رگ و پے میں اسی طرح جاری
ساری ہے جس طرح انسانی جسم میں خون گردش کرتا ہے۔ الحاد ہی نے اس نظام کو جنم دیا، الحاد ہی کی آغوش میں
اس نے پیدائش پائی اور اسی کے بل بوتے پر وہ آگے بڑھ رہا ہے۔ اس کے معرض وجود میں آنے کی وجہ آخری
تو تھی کہ انسان کے دل سے جب خدا کی محبت اور اس کا خوف مٹ گیا اور وہ آخرت کی جو ابدی ہی کے احساس
سے بھی محروم ہو گیا تو اس کے پاس کوئی ایسا پاکیزہ نصیب العین نہ رہا جس کے حصول کے لیے وہ اپنے آپ کو خود
اخلاقی ضابطوں کا پابند بنانا نتیجہ یہ ہوا کہ بے خدا انسان بالکل بے نگاہ ہو کر مادی اسباب اور حسی لذت پر
ٹوٹ پڑا جس سے پورے معاشرے میں زبردست بگاڑ پیدا ہونے لگا۔ اس بگاڑ کو دور کرنے اور انسان کو اجتماعی
زندگی کا پابند بنانے کے لیے بی ضروری سمجھا گیا کہ اُسے ریاست اور اجتماعی نظام کی جگر بند یوں میں بڑی بڑی
کے ساتھ جکڑ کر اس سے حسبِ منشا کام لیا جائے۔ کیونکہ اگر اسے آزادی دے دی گئی تو سرے سے معاشرے
ہی کا خاتمہ ہو جائے گا۔

لے سماج کا ارتقاء